بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دوسری صدی ہجری کی ابتداء کا واقعہ ہے کہ سجستان و رُخج کے فرمانروا نے جس کا خاندانی لقب رُتبیل تھا بنی اُمیہ کے عمال کو خراج دینا بند کر دیا۔ پیہم چڑھائیاں کی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہوا۔ یزید بن عبد الملک کے عہد میں جب اس کے پاس طلب خراج کے لئے سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمانوں کے سفراء سے دریافت کیا کہ :-

"وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پچکے ہوئے ہوتے تھے۔ پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجور کی چھال کی چپلیں پہنا کرتے تھے"

کہا گیا کہ وہ لوگ تو گذر گئے۔ رُتبیل نے کہا :-

"اگرچہ تمہاری صورتیں ان سے زیادہ شاندار ہیں۔ مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے اور تم سے زیادہ طاقتور تھے"

مورخ لکھتا ہے کہ یہ کہکر رُتبیل نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک وہ اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

یہ اُس عہد کا واقعہ ہے جب تابعین و تبع تابعین کثرت سے موجود تھے۔ ائمہ مجتہدین کا زمانہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو صرف ایک صدی گزری تھی مسلمان ایک زندہ اور طاقتور قوم کی حیثیت سے دنیا پر چھائے جا رہے تھے۔ ایران، روم، مصر، افریقہ، اسپین وغیرہ ممالک کے وارث ہو چکے تھے۔ اور

سازوسامان، شان وشوکت، اور دولت وثروت کے اعتبار سے اس وقت دنیا کی کوئی قوم ان کی ہم پلہ نہ تھی۔ یہ سب کچھ تھا۔ دلوں میں ایمان بھی تھا۔ احکام شریعت کی پابندی اب سے بہت زیادہ تھی۔ سمع وطاعت کا نظام قایم تھا۔ پوری قوم میں ایک زبردست ڈسپلن پایا جاتا تھا۔ مگر پھر بھی جو لوگ عہد صحابہ کے فاقہ کش، خستہ حال صحرانشینوں سے زور آزمائی کر چکے تھے۔ انہوں نے ان سروسامان والوں اور ان بے سروسامانوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق محسوس کیا۔ کس چیز کا فرق تھا؟ فلسفۂ تاریخ والے اس کو محض بداوت اور حضرت کے فرق پر محمول کرینگے۔ وہ کہیں گے کہ پرانے بادیہ نشین زیادہ جفاکش تھے اور بعد کے لوگوں کو دولت اور تمدن نے عیش پسند بنا دیا تھا۔ مگر میں کہونگا کہ یہ فرق دراصل ایمان، خلوص نیت، اخلاق اور اطاعتِ خدا ورسول کا فرق تھا۔ مسلمانوں کی اصلی قوت یہی چیزیں تھیں۔ ان کی قوت نہ کثرتِ تعداد پر مبنی تھی۔ نہ اسباب وآلات کی افراط پر۔ نہ مال ودولت کی فراوانی پر۔ نہ علوم وصناعات کی مہارت پر۔ نہ تمدن وحضارت کے لوازم پر۔ وہ صرف ایمان وعمل صالح کے بل پر ابھرے تھے۔ اسی چیز نے ان کو دنیا میں سربلند کیا تھا، اسی نے قوموں کے دلوں میں ان کی دھاک اور ساکھ بٹھائی تھی۔ جب قوت وعزت کا یہ سرمایہ تھا تو وہ قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود طاقت ور اور معزز تھے۔ اور جب یہ سرمایہ ان کے پاس کم ہوتا گیا تو وہ کثرت تعداد اور سازوسامان کی فراوانی کے باوجود کمزور اور بے وقعت ہوتے چلے گئے۔

رتنبیل نے ایک دشمن کی حیثیت سے جو کچھ کہا وہ دوستوں اور ناصحوں کے ہزار وعظوں سے زیادہ سبق آموز ہے۔ اس نے دراصل یہ حقیقت بیان کی تھی کہ کسی قوم کی اصلی طاقت اس کی آراستہ فوجیں، اس کے آلات جنگ، اس کے خوش خورد خوش پوش سپاہی، اور اس کے وسیع ذرائع ووسائل نہیں ہیں، بلکہ اس کے پاکیزہ اخلاق، اس کی مضبوط سیرت، اس کے صحیح معاملات، اور اس کے بلند تخیلات ہیں،

یہ طاقت وہ روحانی طاقت ہے جو مادی وسائل کے بغیر دنیا میں اپنا سکہ چلا دیتی ہے۔ خاک نشینوں کو تخت نشینوں پر غالب کر دیتی ہے۔ صرف زمینوں کا وارث ہی نہیں بناتی بلکہ دلوں کا مالک بھی بنا دیتی ہے۔ اس طاقت کے ساتھ کھجور کی چپلیاں پہننے والے، سوکھی ہڈیوں والے، بے رونق چہروں والے، چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواریں رکھنے والے دنیا پر وہ رعب، وہ سطوت و جبروت، وہ قدر و منزلت، وہ اعتبار و اقتدار جما دیتے ہیں جو اس طاقت کے بغیر شان دار لباس پہننے والے، بڑے ڈیل ڈول والے، بارونق چہروں والے، اونچی بارگاہوں والے، بڑی بڑی منجنیقیں اور ہولناک دبابے رکھنے والے نہیں جما سکتے۔ اس روحانی طاقت کی فراوانی مادی وسائل کے فقدان کی تلافی کر دیتی ہے۔ مگر مادی وسائل کی فراوانی اس طاقت کے فقدان کی تلافی کبھی نہیں کر سکتی۔ اس طاقت کے بغیر محض مادی وسائل کے ساتھ اگر غلبہ نصیب ہو بھی گیا تو ناقص اور عارضی ہوگا، کامل اور پائدار نہ ہوگا۔ دل کبھی مسخر نہ ہونگے۔ صرف گردنیں جھک جائینگی اور وہ بھی اکڑنے کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے مستعد رہینگی۔

کسی عمارت کا استحکام اس کے رنگ و روغن، نقش و نگار، زینت و آرائش، صحن و چمن اور ظاہری خوش نمائی سے نہیں ہوتا۔ نہ مکینوں کی کثرت، ساز و سامان کی افراط اور اسباب و آلات کی فراوانی اس کو مضبوط بناتی ہے۔ اگر اس کی بنیادیں کمزور ہوں، دیواریں کھوکھلی ہوں، ستونوں کو گھن لگ جائے، کڑیاں اور تختے بوسیدہ ہو جائیں تو اس کو گرنے سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی خواہ وہ مکینوں سے خوب معمور ہو اور اس میں کروروں روپے کا مال و اسباب بھرا پڑا ہو، اور اس کی سجاوٹ نظروں کو لبھاتی اور دلوں کو موہ لیتی ہو۔ تم صرف ظاہر کو دیکھتے ہو۔ تمہاری نظریں مدنظر پر اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ مگر حوادث زمانہ کا معاملہ نمائشی مظاہر سے نہیں بلکہ اندرونی حقایق سے پیش آتا ہے۔ وہ عمارت کی بنیادوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ دیواروں کی پختگی کا امتحان لیتے ہیں۔ ستونوں کی استواری کو جانچتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں مضبوط اور

مستحکم ہوں تو زمانے کے حوادث ایسی عمارت سے ٹکرا کر پلٹ جائینگے اور وہ ان پر غالب آجائیگی خواہ وہ زینت و آرائش سے یکسر محروم ہو۔ ورنہ حوادث کی ٹکریں آخر کار اس کو پاش پاش کر کے رہینگی اور وہ اپنے ساتھ اپنے مکینوں اور اپنے اسباب زینت کو بھی لے بیٹھے گی۔

ٹھیک یہی حال حیات قومی کا بھی ہے۔ ایک قوم کو جو چیز زندہ اور طاقت ور اور سربلند بناتی ہے وہ اس کے مکان، اس کے لباس، اس کی سواریاں، اس کے اسباب عیش، اس کے فنون لطیفہ، اس کے کارخانے، اس کے کالج اور اس کے آلات نہیں ہیں، بلکہ وہ اصول ہیں جن پر اس کی تہذیب قایم ہوتی ہے، اور پھر ان اصولوں کا دلوں میں راسخ ہونا اور اعمال پر حکمراں بن جانا ہے۔ یہ تین چیزیں، یعنی اصول کی صحت، ان پر پختہ ایمان، اور عملی زندگی پر ان کی کامل فرمانروائی، حیات قومی میں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو ایک عمارت میں اس کی مستحکم بنیادوں، اس کی پختہ دیواروں اور اس کے مضبوط ستونوں کی ہے۔ جس قوم میں یہ تینوں چیزیں بدرجۂ اتم موجود ہوں وہ دنیا پر غالب ہو کر رہیگی، اس کا کلمہ بلند ہوگا، خدا کی زمین میں اس کا سکہ چلے گا، دلوں میں اس کی دھاک بیٹھے گی، گردنیں اس کے حکم کے آگے جھک جائینگی اور عزت اسکی عزت ہو گی۔ خواہ وہ جھونپڑیوں میں رہتی ہو، پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہو، فاقوں سے اس کے پیٹ پچکے ہوئے ہوں، اس کے ہاں ایک بھی کالج نہ ہو، اس کی بستیوں میں ایک بھی دھواں اڑانے والی چمنی نظر نہ آئے، اور علوم و صناعات میں وہ بالکل صفر ہو۔ تم جن چیزوں کو سامان ترقی سمجھ رہے ہو وہ محض عمارت کے نقش و نگار ہیں۔ اس کے قوایم و ارکان نہیں ہیں۔ کھوکھلی دیواروں پر اگر تم سونے کے پترے بھی چڑھا دو گے تو وہ ان کو گرنے سے نہ بچا سکینگے۔

یہی بات ہے جس کو قرآن مجید بار بار بیان کرتا ہے۔

وہ اسلام کے اصولوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اس اٹل اور غیر متغیر فطرت کے مطابق

ہیں جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے' اس لیے جو دین ان اصولوں پر قایم کیا گیا ہے وہ دین قیم ہے' یعنی ایسا دین جو معاش و معاد کے جملہ معاملات کو ٹھیک ٹھیک طریقوں پر قایم کر دینے والا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰ : ۴)۔

پھر وہ کہتا ہے کہ اس دین قیم پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ' اس پر ایمان لاؤ اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں تم ہی سربلند ہوگے' تم ہی کو زمین کا وارث بنایا جائیگا' تم ہی خلعت خلافت سے سرفراز ہوگے۔ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ (۲۱ : ۷) وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳ : ۱۴۰) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (۲۴ : ۷) وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵ : ۸)۔

بخلاف اس کے جو لوگ بظاہر دین کے دائرے میں داخل ہیں مگر دین نہ تو ان کے دلوں میں بیٹھا ہے اور نہ ان کی زندگی کا قانون بنا ہے۔ ان کے ظاہر تو بہت شاندار ہیں۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ۔ اور ان کی باتیں بھی بہت مزے دار ہیں۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ مگر حقیقت میں وہ لکڑی کے کندے ہیں جن میں جان نہیں كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ وہ خدا سے زیادہ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں کہ دیکھنے میں پانی نظر آئیں مگر حقیقت میں کچھ نہیں۔ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ایسے لوگوں کو اجتماعی قوت کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ خلوص نیت کے ساتھ کسی کام میں اشتراک عمل نہیں کر سکتے۔ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ان کو وہ قوت ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جو صرف

مومنین۔ صالحین کا حصہ ہے لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ یہ ظالم ہیں جن کو دنیا کی امامت کا منصب کبھی نہ ملے گا۔ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ان کے لئے بجز اس کے اور کوئی انجام نہیں کہ دنیا میں بھی ذلت وخواری اور آخرت میں بھی عذاب وعقاب۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

آپ تعجب کرینگے کہ قرآن نے مسلمانوں کی ترقی اور اُن کے ایک حکمران قوم بننے اور سب پر غالب آجانے کا ذریعہ صرف ایمان وعمل صالح کو قرار دیا اور کہیں یہ نہیں کہا کہ تم یونیورسٹیاں بناؤ کالج کھولو کارخانے قایم کرو جہاز بناؤ کمپنیاں قایم کرو بینک کھولو سائنس کے آلات ایجاد کرو اور لباس معاشرت انداز واطوار میں ترقی یافتہ قوموں کی نقل کرو۔ نیز اس نے تنزل وانحطاط اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی کا واحد سبب نفاق کو ٹھیرایا نہ کہ اُن اسباب کے فقدان کو جنہیں آج کل کی دنیا اسباب ترقی سمجھتی ہے۔

لیکن اگر آپ قرآن کی اسپرٹ کو سمجھ لیں تو آپ کا یہ تعجب خود رفع ہو جائیگا۔ سب سے پہلی بات جس کا سمجھنا ضروری ہے یہ ہے کہ "مسلمان" جس شئے کا نام ہے اس کا قوام بجز "اسلام" کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ مسلم ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت صرف اسلام سے متحقق ہوتی ہے۔ اگر وہ اس پیغام پر ایمان رکھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور اُن قوانین کا اتباع کرے جن کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے نازل کیا گیا ہے تو اس کا اسلام متحقق ہو جائیگا خواہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے ساتھ شامل نہ ہو جو اسلام کے ماسوا ہیں۔ بخلاف اس کے اگر وہ ان تمام یورپ سے آراستہ ہو جو زینت حیات دنیا کے قبیل سے ہیں مگر ایمان اس کے دل میں نہ ہو اور قوانین اسلامی کے اتباع سے اس کی زندگی خالی تو وہ گریجویٹ ہو سکتا ہے ڈاکٹر ہو سکتا ہے کارخانہ دار ہو سکتا ہے بینکر ہو سکتا ہے جنرل یا امیر البحر ہو سکتا ہے غرض سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

پس کوئی ترقی کسی مسلمان شخص یا قوم کی ترقی نہ ہوگی جب تک کہ سب چیزوں سے پہلے اُس شخص یا قوم میں حقیقت اسلامی متحقق نہ ہو جائے۔ اس کے بغیر وہ ترقی خواہ وہ کیسی ہی ترقی ہو، مسلمان کی ترقی نہ ہوگی اور ایسی ترقی ظاہر ہے کہ اسلام کا نصب العین نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک بات تو یہ ہے کہ کوئی قوم سرے سے مسلمان نہ ہو، اور اس کے افکار و اخلاق اور نظام اجتماعی کی اساس اسلام کے سوا کسی اور چیز پر ہو۔ ایسی قوم کے لیے تو بلاشبہ یہ ممکن ہے کہ وہ ان اخلاقی، سیاسی، معاشی اور عمرانی اصولوں پر کھڑی ہو سکے جو اسلام سے مختلف ہیں، اور اس ترقی کے منتہا کو پہنچ جائے جس کو وہ اپنے نقطۂ نظر سے ترقی سمجھتی ہے۔ لیکن یہ بالکل ایک امر دیگر ہے کہ کسی قوم کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت، اور سیاست کی بنیاد اسلام پر ہو، اور اسلام ہی میں وہ عقیدے اور عمل دونوں کے لحاظ سے ضعیف ہو۔ ایسی قوم مادی ترقی کے وسائل خواہ کتنی ہی کثرت اور فراوانی کے ساتھ مہیا کر لے، اس کا ایک مضبوط اور طاقت ور قوم کی حیثیت سے اٹھنا اور دنیا میں سربلند ہونا قطعاً غیر ممکن ہے۔ کیونکہ اس کی قومیت اور اس کے اخلاق اور تہذیب کی اساس جس چیز پر ہے، وہی کمزور ہے، اور اساس کی کمزوری ایسی کمزوری ہے جس کی تلافی محض اوپری زینت کے سامان کبھی نہیں کر سکتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ علوم و فنون اور مادی ترقی کے وسائل کی جائز اہمیت سے انکار ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان قوم کے لیے یہ تمام چیزیں ثانوی درجہ میں ہیں۔ اساس کا استحکام ان سب پر مقدم ہے۔ وہ جب مستحکم ہو جائے تو مادی ترقی کے وہ تمام وسائل اختیار کیے جا سکتے ہیں جو اس بنیاد کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ لیکن اگر وہ مضمحل ہو، دلوں میں اس کی جڑیں کمزور ہوں، اور زندگی پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو جائے تو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے قوم کے اخلاق کا فاسد ہونا، سیرت کا بگڑ جانا، معاملات کا خراب ہو جانا، نظام اجتماعی کی بندشوں کا سست ہو جانا، اور قوتوں کا پراگندہ ہو جانا ناگزیر ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ

یہ ہے کہ قوم کی طاقت کمزور ہو جائے اور بین الملی قوتوں کے ترازو میں اس کا پلڑا روز بروز ہلکا ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ دوسری قومیں اس پر غالب آجائیں۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ہے۔ قرآن حکیم نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ "تم ہی سربلند ہوگے اگر تم مومن ہو"۔ اور "اللہ کی پارٹی والے ہی غالب ہونگے"۔ اور "جو لوگ ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہونگے اُن کو زمین کی خلافت ضرور ملے گی"۔ اس وثوق کی بنیاد کیا ہے؟ کس بنا پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ دوسری قومیں خواہ کیسے ہی مادی وسائل کی مالک ہوں ان پر مسلمان صرف ایمان اور عمل صالح کے اسلحہ سے غالب آجائینگے؟

اس عقدے کو خود قرآن حل کرتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۔ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۔ (۲۲:۷۳)

لوگو ایک مثال بیان کیجاتی ہے۔ اس کو غور سے سنو! خدا کو چھوڑ کر تم جن چیزوں کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی تک کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اگرچہ وہ سب اس کام کے لئے ملکر زور لگائیں اور اگر ایک مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے وہ چیز چھڑا لینے کی قدرت بھی ان میں نہیں۔ مطلوب بھی ضعیف اور اس کا طالب بھی ضعیف۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی حالانکہ درحقیقت اللہ ہی قدرت اور عزت والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ (۲۹:۴)

جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو کارساز ٹھیرایا ان کی مثال ایسی ہے جیسے مکڑی کہ وہ گھر بناتی ہے حالانکہ سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مادی طاقتوں پر اعتماد کرتے ہیں، اُن کا اعتماد دراصل ایسی چیزوں پر ہے جو بذاتِ خود کسی قسم کی بھی قوت و قدرت نہیں رکھتیں۔ ایسے بے زوروں پر اعتماد کرنے کا قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ خود بھی بے زور ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے نزدیک جو مستحکم قلعے بناتے ہیں وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ ان میں کبھی یہ طاقت ہو ہی نہیں سکتی کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں سر اٹھا سکیں جن کا اعتماد حقیقی قدرت و عزت رکھنے والے خدا پر ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (۲:۲۵۶)

جو طاغوت کو جھوٹ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے مضبوط رسّی تھام لی جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

قرآن دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ جب کبھی اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوگا تو غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (۴۸: ۳)۔

اور اگر وہ جنہوں نے کفر کیا ہے تم سے جنگ کرینگے تو ضرور پیٹھ پھیر جائینگے پھر کوئی یار و مددگار نہ پائینگے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلے آرہی ہے اور تم کبھی اللہ کی سنت میں تغیر نہ پاؤ گے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا (۳:۱۶)

ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دینگے کیونکہ انہوں نے خدا کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک کر لیا ہے جن کو خدا نے کوئی تمکن نہیں بخشا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے لڑتا ہے اس کے ساتھ خدائی طاقت ہوتی ہے، اور جس کے ساتھ خدائی طاقت ہو اس کے مقابلے میں کسی کا زور چل ہی نہیں سکتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۴۷:۱۱)

یہ اس لئے کہ ایمانداروں کا مددگار تو اللہ ہے اور کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۸:۱۷)

جب تو نے پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔

یہ تو مومن صالح کی سطوت کا حال ہے۔ دوسری طرف یہ بھی خدا کا قانون ہے کہ جو شخص ایماندار ہوتا ہے، جس کی سیرت پاکیزہ ہوتی ہے، جس کے اعمال نفسانیت کی آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں، اور جو ہوائے نفس اور اغراض نفسانی کے بجائے، خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتا ہے، اس کی محبت اور عزت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے، دل آپ ہی آپ اسکی طرف کھنچنے لگتے ہیں، نگاہیں اس کی طرف احترام سے اٹھتی ہیں، معاملات میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، دوست تو دوست دشمن تک اس کو امین و صادق سمجھتے ہیں اور اس کے عدل، اس کی عفت، اور اس کی وفاشعاری پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۱۹:۶)۔

جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں میں محبت ڈال دیگا

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ (۱۴:۱۴)

ایمان لانے والوں کو اللہ قول ثابت کے ساتھ جما دیتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱۶:۱۳)

جو کوئی نیک عمل کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو تو ہم ضرور اس کو بہترین زندگی بسر کرائینگے اور ان بہترین اعمال کا اجر دینگے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

مگر یہ سب کس چیز کے نتائج ہیں؟ محض زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے نہیں مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے اور معاشرت کے چند مخصوص اطوار اختیار کرنے اور چند گنی چنی رسمیات ادا کر لینے کے نہیں قرآن حکیم ان نتائج کے ظہور کے لیے ایمان اور عمل صالح کی شرط لگاتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت تمہارے قلب و روح میں اس قدر جاگزیں ہو جائے کہ تمہارے تخیلات و افکار اور اخلاق و معاملات سب پر اُسی کا غلبہ ہو، تمہاری ساری زندگی اِسی کلمہ طیبہ کے معنوی قالب میں ڈھل جائے۔ تمہارے ذہن میں کوئی ایسا خیال راہ نہ پا سکے جو اس کلمہ کے معنی سے مختلف ہو، اور تم سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو اس کلمہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہو۔ لا الٰہ الا اللہ کو زبان سے ادا کرنے اور قلب سے اس کی تصدیق کرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تمہاری زندگی میں اس کے ساتھ ہی ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ تمہاری رگ رگ میں تقویٰ کی روح سرایت کر جائے۔ پھر اللہ کے سوا تمہاری گردن کسی طاقت کے آگے نہ جھکے، اللہ کے سوا تمہارا ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلے، اللہ کے سوا کسی کا خوف تمہارے دل میں نہ رہے، اللہ کے سوا کسی کو راضی کرنے کی خواہش تمہارے قلب میں باقی نہ رہے، تمہاری محبت اور تمہارا بغض اللہ کے سوا کسی اور کے لیے نہ ہو، اللہ کے قانون کے سوا تمہاری زندگی پر کسی اور کا قانون نافذ نہ ہو، تم اپنے نفس اور اس کی ساری خواہشوں اور اس کے تمام مرغوبات و محبوبات کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دینے کے لیے ہر وقت طیار رہو، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مقابلہ میں تمہارے پاس سمعنا و اطعنا کے سوا کوئی اور قول اور فعل نہ ہو۔ جب ایسا ہو گا تو تمہاری قوت صرف تمہارے اپنے نفس اور جسم کی قوت نہ ہو گی بلکہ اس احکم الحاکمین کی قوت ہو گی جس کے آگے زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سربسجود ہے۔ اور تمہاری ذات اس نور السمٰوات والارض کے جلووں سے منور ہو جائے گی جو تمام عالم کا حقیقی محبوب و معشوق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہی چیز مسلمانوں کو حاصل تھی۔ پھر اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ اس زمانہ میں جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اسکی کایا پلٹ ہوگئی میں خام سے یکایک وہ کندن بن گیا۔ اسکی ذات میں وہ کشش پیدا ہوئی کہ دل اسکی طرف کھنچنے لگے۔ اس پر جسکی نظر پڑتی وہ محسوس کرتا کہ گویا تقویٰ اور پاکیزگی اور صداقت کو مجسم دیکھ رہا ہے۔ وہ ان پڑھ، مفلس، فاقہ کش، پشمینہ پوش اور بوریا نشین ہوتا، مگر پھر بھی اسکی ہیبت دلوں میں ایسی بیٹھتی کہ بڑے بڑے شان و شوکت والے فرمانرواؤں کو نصیب نہ تھی۔ ایک ایک مسلمان کا وجود گویا ایک چراغ تھا کہ جدھر وہ جاتا اسکی روشنی اطراف و اکناف میں پھیل جاتی اور اس ایک چراغ سے سینکڑوں ہزاروں چراغ جل جاتے پھر جو اس کی روشنی قبول نہ کرتا اور اس سے ٹکرانے کی جرأت کرتا تو اس کو جلانے اور فنا کر دینے کی قوت بھی اس میں موجود تھی۔

ایسی ہی قوت ایمانی اور طاقت اور سیرت رکھنے والے مسلمان تھے کہ جب وہ ساڑھے تین سو سے زیادہ نہ تھے، تو انہوں نے تمام عرب کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا، اور جب وہ چند لاکھ کی تعداد کو پہنچے تو ساری دنیا کو مسخر کر لینے کے عزم سے اٹھ کھڑے ہوئے، اور جو قوت انکے مقابلے پر آئی پاش پاش ہوگئی۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے، مسلمان کی اصلی طاقت یہی ایمان اور سیرت صالحہ کی طاقت ہے جو صرف ایک لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت دل میں بیٹھ جانے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اگر یہ حقیقت دل میں جاگزیں نہ ہو محض زبان پر یہ الفاظ جاری ہوں، مگر ذہنیت اور عملی زندگی میں کوئی انقلاب برپا نہ ہو، لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی انسان ویسا ہی کا ویسا ہی رہے جو اس سے پہلے تھا، اور اس میں اور لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرنے والوں میں کوئی فرق نہ ہو، وہ بھی انہی کی طرح غیر اللہ کے آگے گردن جھکائے اور ہاتھ پھیلائے، انہی کی طرح غیر خدا سے ڈرے اور غیر خدا کی رضا چاہے اور غیر خدا کی محبت میں گرفتار ہو، انہیں کی طرح ہوائے نفس کا بندہ ہو، اور قانون الٰہی کو چھوڑ کر انسانی قوانین یا اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے، اسکے خیالات اور ارادوں اور نیتوں میں بھی وہی گندگی ہو جو ایک

غیر مومن کے خیالات ارادات اور نیات میں ہو سکتی ہے، اور اس کے اقوال و افعال و معاملات بھی ویسے ہی ہوں جیسے ایک غیر مومن کے ہو سکتے ہیں تو پھر مسلمان کو نامسلمان پر فوقیت کس بناء پر ہو؟ روح ایمان اور روح تقویٰ نہ ہونے کی صورت میں ایک مسلمان ویسا ہی ایک بشر تو ہے جیسا ایک نامسلمان ہے۔ اسکے بعد مسلم اور غیر مسلم کا مقابلہ صرف جسمانی طاقت اور مادی وسائل ہی کے اعتبار سے ہوگا، اور اس مقابلہ میں جو طاقت ور ہوگا وہ کمزور پر غالب آجائیگا۔

ان دونوں حالتوں کا فرق تاریخ کے صفحات میں اتنا نمایاں ہے کہ ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یا تو مٹھی بھر مسلمانوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دیے تھے اور اٹلانٹک کے کنارے سے لے کر اٹلانٹک کے سواحل تک اسلام پھیلا دیا تھا۔ یا اب کروروں مسلمان دنیا میں موجود ہیں، اور غیر مسلم طاقتوں سے دبے ہوئے ہیں، اور جن آبادیوں میں کروروں مسلمان بستے ہیں اور ان کو بستے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں وہاں اب بھی کفر و شرک موجود ہے۔

اس رسالے میں مطبوعات کے عنوان سے عام کتابوں اور رسالوں پر جو مختصر انتقادات شائع ہوتے ہیں، وہ درحقیقت ہمارے مقاصد اور حدود سے خارج ہیں، کیونکہ "ترجمان القرآن" کا مقصد محض قرآن مجید کی خدمت ہے۔ لیکن ہم نے ان غیر متعلق انتقادات کیلئے تھوڑی سی جگہ صرف اس وجہ سے مخصوص کر دی ہے کہ بعض اصحاب اپنی عنایت سے ہمارے پاس کتابیں اور رسالے بغرض تنقید بھیج دیتے ہیں، اور صحافت کے عمومی آداب کا مقتضیٰ ہے کہ ان پر تنقید کیجائے۔ اپنے مقاصد و حدود سے اس حد تک تجاوز تو غالباً ہمارے لیے جائز ہے۔ لیکن ہماری کسی تنقید کے جواب میں کوئی لمبی چوڑی تحریر آئے تو اس تحریر کو شائع کرنا اور پھر اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے ایک اور لمبی چوڑی تحریر سے رسالے کے صفحات کو بھرنا یقیناً بہت زیادہ تجاوز ہے جس کے لئے جواز کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

یہ چند جملے اس لیے لکھے جا رہے ہیں کہ گذشتہ ماہ شعبان کے پرچہ میں جناب بشارت احمد صاحب جنرل

سکریٹری جماعتہائے احمدیہ دکن کی کتاب "تصدیق احمدیت" پر جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے جواب میں صاحب موصوف نے ایک طویل تحریر ارسال فرمائی ہے، اور اس کی اشاعت کو ہماری "قوتِ اظہارِ حق" کا گویا امتحان قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ کسی موقع پر دوسرے مؤلفین و مصنفین کی جانب سے بھی ایسی ہی تحریریں آئیں اور اسی طرح ان کی اشاعت کا بھی مطالبہ کیا جائے۔ اسلیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسی تحریریں شائع نہ کرنے کے لئے ایک عام معذرت نامہ شائع کردیں۔

اس سلسلہ میں ایک اصولی بات کی طرف اشارہ کردینا بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔ ہندوستان میں ایک مدت سے مذہبی مناظرات نے جو رنگ اختیار کر رکھا ہے وہ نہ صرف متانت و سنجیدگی سے عاری ہے، بلکہ اُس مقصد کے بھی منافی ہے جس کے لیے مناظرہ کیا جاتا ہے۔ مناظرہ کا اصل مقصد اپنے مذہب کی صداقت کا اثبات ہے اور یہ صرف دلائل سے ہوسکتا ہے۔ دلائل اگر سنجیدگی کے ساتھ پیش کیے جائیں تو پڑھنے یا سننے والا ٹھنڈے دل سے اُن پر غور کرکے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن اگر ان کے ساتھ گرمی زبان و سختی کلام کا عنصر بھی شامل ہوجائے تو سامعین و ناظرین کے دل و دماغ اُس سکون کے حامل نہیں رہتے جو صحیح غور و فکر کیلیے ضروری ہے۔ ایسے مناظرے خواہ کسی مذہب کی طرف سے کیے جائیں ہمارے نزدیک قابلِ اعتراض ہیں، اور اس مذہب کے لیے بھی نصرت کے موجب نہیں ہوسکتے جس کی تائید انکے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ یہی قاعدہ ہے جس کو ملحوظ رکھکر ہم نے جناب الیاس برنی صاحب کی کتاب "قادیانی مذہب" کی تائید کی، اور جناب بشارت احمد صاحب کی کتاب "تصدیق احمدیت" سے اختلاف کیا۔

جناب بشارت احمد صاحب کو خود اعتراف ہے کہ "بلاشبہ جناب برنی صاحب کی عبارت سلیس و متین ہے" اور "عبارت متانت و تہذیب سے پُر اور قلم قابو میں نظر آتا ہے"۔ دوسری طرف وہ یہ بھی اعتراف فرماتے ہیں کہ "جو شکایت آپنے اپنی تنقید میں کی ہے وہ شکایت اس سے پہلے خود میری جماعت کے بعض نازک و لطیف احساس رکھنے والے و نیز بعض ... دیگر احباب بھی کرچکے ہیں"۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے طرزِ عمل کو صرف اس بنا پر جائز ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اقتباسات محولات میں ناجائز تصرف اور صریح تحریف ظاہر کرکے پبلک کو متوجہ کرکے کہتے ہیں کہ برنی صاحب نے محض اپنے من مانے عنوانات کی ترتیب سے وسوسہ پیدا کرنا چاہا ہے ورنہ نہ ہمارے یہ اعتقادات ہیں نہ ہماری کتابوں کے

وہ اقتباسات ہیں جو پیش کیے گئے"۔

مگر ہمارا اعتراض کسی "ناجائز تصرف" اور "صریح تحریف" کے اظہار پر نہ تھا بلکہ اس زبان پر تھا جو اس کے ساتھ استعمال کیگئی ہے۔ ہمارے نزدیک جناب بشارت احمد صاحب کے لیے صحیح طریق جواب یہ تھا کہ اپنی کتابوں سے اپنے مذہب کے اصل اعتقادات پیش کر دیتے اور برنی صاحب نے اگر "ناجائز تصرف" یا "صریح تحریف" سے کام لیا تھا تو اس کو صاف صاف ظاہر کر دیتے۔ مگر جب برنی صاحب نے حملہ متانت و تہذیب سے کیا تھا تو اسکی مدافعت غیر متین اور غیر سنجیدہ طریقے سے کرنا جائز نہ تھا۔ مہذب معترض کا جواب غیر مہذب طریقے سے دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ اس کو بھی خلاف تہذیب طریقوں کی طرف کھینچ لانا چاہتے ہیں، اور اپنا مفاد اسی میں دیکھتے ہیں کہ عام ناظرین کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع نہ دیں۔ یہ بات تو آپ کے مذہب کی کمزوری کو ظاہر کرتی ہے، اور خود آپ کی طرف سے لوگوں کو بدگمان کرنے والی ہے۔

جناب بشارت احمد صاحب نے اپنے طرز عمل کی تائید میں قرآن مجید سے بھی استدلال فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"مجھے تو ایک نہایت پرانی کتاب کا جس کی ترجمانی کے لیے آپ نے اپنا رسالہ جاری فرمایا ہے صرف ایک چھوٹا سا جملہ یاد ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نے تصدیق احمدیت میں جو کچھ لکھا ہے اس میں اسکو کافی طور پر ملحوظ رکھا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ السُّوْءَ بِالْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔"

لیکن اس پرانی کتاب میں یہ جملہ ہمیں کہیں نہیں ملا۔ اصل آیت یہ ہے:۔ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (۴: ۲۱)۔ اور اسی پرانی کتاب میں بار بار یہ بھی کہا گیا ہے کہ وَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (۲: ۲۴) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (۱۶: ۶) قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (۱۷: ۶) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ (۲۳: ۶) وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (۴۲: ۴)